

اسکراف / حجاب کا مسئلہ

اسلام اور یورپی نفسیات

نائن الیون ((9/11 کے بہانے امریکہ کو مسلمان ملکوں پر چڑھ دوڑنے کا جو موقع ملا، اس سے مسلم حکمران تو سپر انداز ہو ہی رہے ہیں لیکن مسلمان ملکوں کے عوام میں مغرب (نام نہاد عالمی اتحاد) کے خلاف ردِ عمل روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ سیکولر قوتوں نے اس کا توڑ یہ سوچا ہے کہ ثقافتی اثر و نفوذ کے لئے مسلم معاشروں میں کچھ بزرگم خویش ترقی پسندوں کی خدمات حاصل کر لی جائیں، دوسری طرف مغرب میں آباد اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں پر سرکاری دباؤ بڑھا دیا جائے۔ اسکراف و حجاب کی ممانعت، تصویر و موسیقی کی اباحت کے علاوہ لفنگلوں اور اوباشوں کے ذریعہ بسنت اور ویلمینائن ڈے کا شور و غوغا ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

ان دنوں یورپی مغرب کے ملک فرانس نے اسکراف کی قانونی ممانعت کر کے جو بے چینی پیدا کی ہے، وہ دراصل اسلام کے تہذیبی شعائر کے خلاف ہے جس میں سر دست خواتین کے سر ڈھانچے کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ تحریک اسکراف کے اسلامی شعائر کے حوالہ سے چل رہی ہے لیکن بہت جلد اس کا دائرہ پوری اسلامی ثقافت کی پامالی کی طرف وسیع ہوتا نظر آ رہا ہے جس کا بڑا ذریعہ بیہودے کے زیر تسلط الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جو آزاد خیال لوگ ستر و حجاب اور اختلاط مرد و زن یا بسنت اور ویلمینائن ڈے کو اسلامی بنیاد پرستی اور تشدد سے تعبیر کرتے ہیں یا الفاظ دیگر ایسی چیزوں کو دین و مذہب سے لا تعلق بتاتے ہیں خود ان کا آقا مغرب بھی اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ نہ صرف اسکراف کو مذہبی شعائر سمجھتا ہے بلکہ سیکولر ثقافت میں دخل اندازی کا فساد بھی قرار دیتا ہے جس سے کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین و ثقافت کو الگ نہیں کیا جاسکتا خواہ سیکولر ازم اس کیلئے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کر لے۔ اسی پہلو سے مسلم دنیا کے ترکی و تہنوس اور مغرب کے فرانس و جرمنی وغیرہ میں تہذیبوں کے تصادم (clash of Civilization) کے تنازعہ ابھرتے ہوئے مسئلہ اسکراف و حجاب کا مطالعہ فرمائیے۔ (محدث)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو تاریخ عالم میں ایک یادگار دن کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہی وہ دن ہے کہ جس دن مسلم اور غیر مسلم دنیا کے درمیان ایک طویل اور خون آشام تہذیبی ٹکراؤ کا آغاز ہوا۔ اس دن کو کرۂ ارض پر 'نائن الیون' کے مخفف نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اس

دن اٹھارہ بیس نوجوانوں نے دنیا کی واحد سپر پاور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جدید ترین اور حساس ترین سیارہ رسا حفاظتی نظام کو ناکارہ بنا کر ایک ایسی تباہی سے دوچار کیا کہ کائنات گیر سائنسی مہارت کے تمام امریکی دعوے دھڑام سے زمین بوس ہو گئے اور اس کا بزعم خود فلک نشان اقتصادی ڈھانچہ کھوکھلا ہو کر بنیادوں پر لرزنے لگا۔

امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے اعلان کیا کہ یہ حیران کن کارروائی کرنے والے تمام کے تمام جانفروش نوجوان مسلمان تھے، عرب نژاد تھے، تشدد پسند تھے اور افغانستان میں قائم اسامہ بن لادن کی جماعت القاعدہ نے انہیں منصوبہ اور سرمایہ فراہم کیا تھا۔ جارج بش نے یہ بھی اعلان کیا کہ امریکہ اپنے ان ہزاروں شہریوں کے نقصان اور ہلاکتوں کا بدلہ لے گا جو اس کارروائی کا نشانہ بنے اور اس مقصد کے لئے شدت پسندوں کا پوری دنیا میں سرگرم تعاقب کیا جائے گا۔ اسکے بعد وقت کی بوڑھی آنکھوں نے پورے افغانستان کو امریکی کارپٹ بمباری تلے ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ بعد ازاں امریکی بربریت نے مسلم ملک عراق کا رخ کیا اور صدام حسین کی حکومت کو روندتے ہوئے عرب دنیا میں تیل کے اعلیٰ ترین ذخائر پر قابض ہو گیا۔

۱۱ ستمبر اور دیگر مغربی ممالک

ظلم اور بربریت کی اس اندھی جنگ میں برطانیہ سمیت بہت سے مغربی ممالک نے امریکہ کا ساتھ دیا۔ یورپ کے کچھ ممالک نے اگرچہ بوجہ امریکہ کی پر تشدد اور جنگی کارروائیوں کی مخالفت کی لیکن بعد کے حالات سے ثابت ہوا کہ یہ ممالک بھی مسلم اور غیر مسلم تہذیبوں کی باہمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کے بجائے اسلام مخالف تہذیبی ریلے سے نہ صرف متاثر ہوئے ہیں بلکہ خود کو بہ انداز دیگر اسی سیل نامعقولیت کے سپرد کر چکے ہیں۔ یورپ کے ان ممالک نے مسلمان تہذیب کے خلاف بندوق اٹھانے کے بجائے انسانی حقوق، سماجی تحفظ اور سیاسی نظام کی غیر جانبداریت کے خوش رنگ نعروں جیسے ہتھیاروں سے اپنی حدود میں مسلم شناخت کو نابود کر دینے کے پروگرام وضع کئے اور ان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ یورپی مفکرین نے اپنے سیاسی قائدین کی توجہ مسلمان معاشرے میں عورت کی اہمیت اور اس کی

عصمت، عزت اور وقار کی حفاظت جیسے احکامات کی طرف مبذول کروائی۔ اور ایک دین دار عورت کے اگلی نسلوں پر پڑنے والے اثرات سے آگاہ کرتے ہوئے مسلمان عورت کو بے توقیر کرنے اور اپنی دینی شناختوں سے محروم کرنے کی صلاح دی۔ نتیجہ یہ کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت امریکہ اور یورپ میں رہنے والی مسلمان عورت کو بے توقیر کرنے کی سازش تیار ہوئی؛ اس طرح اسلام دشمن مغربی مفکرین کا اسلامی تہذیب کو مٹانے کا وہ خواب تعبیر کے سانچے میں ڈھلنے لگا جو وہ زمانہ قدیم سے دیکھ رہے تھے۔

مسلمانوں کے اجتماعی تشخص کو ڈھانے کا فلسفہ

۱۶۰۰ عیسوی میں اس وقت کے دانشور پیڈروف فرانکیز نے مسلمانوں کے طرز حیات اور ان کی تہذیبی اثر پذیری کو عیسائیت کے لئے ایک خطرہ گردانتے ہوئے تخت حکومت پر متمکن شاہ فلپ سوم کی خدمت میں سفارشات پیش کی تھیں۔ پیڈروف فرانکیز کی مرتب کردہ تجاویز میں کہا گیا تھا کہ ”ہمیں ہر ممکن اقدام کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس بات سے روکنا ہوگا کہ وہ اپنے مردود کو اپنے دینی رواج کے مطابق دفن کریں۔ ہمیں ان کی زبان، ان کے مذہبی لباس اور حلال گوشت پر ان کے اصرار کو ختم کرنا ہوگا۔ ان کی مساجد، مدارس اور حمام ڈھا دینا ہوں گے۔“

علامہ اقبال نے کہا تھا عقل عیار ہے، سو بھیں بدل لیتی ہے!!.....
۱۶۰۰ عیسوی سے سن ۲۰۰۴ء تک آتے آتے ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ یورپی ممالک نے عقل کی عیاری کو کام میں لاتے ہوئے اسلامی تہذیب و تمدن کے خلاف اپنے قدیم تعصب کو بے تعصبی، انسانی آزادی اور سب کے لئے قابل قبول معاشرے کے قیام جیسے دل کش مقاصد کا لباس پہنا دیا۔ اس طرح مسلم دنیا کے خلاف غیر مسلم طاقتوں کی تہذیبی جنگ دو صورتوں میں ابھر کر سامنے آئی۔ امریکہ اور برطانیہ جیسے کچھ ممالک نے تو طاقت کے بل بوتے پر منتخب اسلامی ممالک کا کلچر تبدیل کرنے کا عمل شروع کیا۔ جبکہ فرانس اور جرمنی جیسے ممالک نے اپنی جغرافیائی حدود کے اندر بسنے والے مسلمانوں کی تہذیبی شناخت کو ختم کرنے کی مہم آغاز کی۔ یورپ میں تقریباً دو کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں سے ۲۰ لاکھ سے زائد

برطانیہ میں اور ۳۰ لاکھ سے زائد جرمنی میں رہائش پذیر ہیں۔ جبکہ فرانس میں ان کی آبادی سب سے زیادہ یعنی ۶۰ لاکھ سے بھی متجاوز ہے۔ ان میں سے ۵۰ فیصد آبادی باضابطہ طور پر فرانس کی شہریت رکھتی ہے۔

فرانس میں مسلمان

یورپ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ خود اسلام کی تاریخ قدیم ہے۔ پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمان یورپ میں پہنچ گئے تھے۔ اندلس کی فتح کے بعد اسلامی فوج جنوبی فرانس تک اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتی چلی گئی تھی۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کا سانحہ ہوا تو مسلمانوں کی یہاں سے ہجرت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اس طرح پندرہویں اور سولہویں صدی تک کم از کم تین لاکھ مسلمان فرانس میں آباد ہوئے۔ ایک طرف مسلمانوں کی فرانس میں آمد کا یہ سلسلہ تھا اور دوسری جانب خود فرانس نے اپنے قرب و جوار میں اپنا سیاسی اثر و رسوخ اور اقتدار قائم کرنے کے لئے اپنی افواج کو استعمال کیا۔ اور بہت سے مسلمان ممالک مثلاً شام، لبنان، الجزائر، مراکش، سینی گال، موریتانیہ، تیونس اور متعدد افریقی ممالک پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس طرح ان ممالک کے مسلمان بھی کثرت سے فرانس میں آتے جاتے رہے۔ فرانس کی تعمیر و ترقی میں مسلمان محنت کشوں کا کردار نہایت اہم ہے۔ فرانس کی تاریخ گواہ ہے کہ نقل مکانی کر کے اس سرزمین پر آنے والے مسلمانوں نے نہ صرف فرانسیسی قوانین کا احترام ملحوظ خاطر رکھا بلکہ فرانس کے قومی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کا تعین کیا، خود فرانس نے بھی اس سلسلے میں کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور اپنے ہر شہری کو دین اور اعتقاد کی آزادی کی ضمانت دی۔

۱۹۱۷ء میں فرانس میں باضابطہ طور پر ایک اسلامی کونسل کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۲۶ء کے دوران فرانس کے دار الحکومت پیرس میں ایک بڑی اور مرکزی مسجد تعمیر ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں مسلمانوں کو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم تنظیمیں اور فلاحی ادارے رجسٹر کروانے کا حق دے دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں فرانس بھر میں لاتعداد تعلیمی ادارے، تربیتی مراکز اور مسلم ثقافتی سینٹر عالم وجود میں آ گئے جو اب تک کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔

انقلابِ فرانس کے بعد سے فرانسیسی حکومت کا عمومی رویہ تخیل اور فراخ دلی کے اصولوں پر مشتمل رہا ہے اور ماضی قریب میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اگر کسی ادارے یا فرد نے فرانس میں آباد مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر کوئی قدغن لگانے کی کوشش کی تو خود حکومتی سطح پر اس کا نوٹس لیا گیا اور اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

فرانس اور مسئلہ حجاب

ایک مرتبہ ۱۹۸۹ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۹۲ء میں فرانس پر کچھ متعصب عناصر نے سیکولر ازم کے نام پر مسلمان طالبات کو حجاب سے منع کرنے کی تحریک شروع کی تو عدلیہ سے منسلک اعلیٰ ترین ادارے 'سیٹ کونسل' نے فیصلہ صادر کیا اور قرار دیا کہ دینی شعائر کا اہتمام اور تسلسل فرانس میں قائم سیکولر نظام سے متصادم نہیں ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ حکومت میں موجود مؤثر حلقوں نے امریکہ میں ہونے والے نائن الیون واقعہ کے بعد اپنی رائے بدل لی ہے اور امریکہ نے اسلامی تہذیب کے خلاف درپردہ اور بظاہر دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جو مہم آغاز کی تھی، یورپ کے ترقی یافتہ ممالک نے اس میں اپنا کردار اس طرح ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ وہ یورپ میں عرصہ دراز سے رہنے والے مسلمانوں کی طرز زندگی اور شعائر اسلامی پر مبنی اطوار و خصائل کو بدل ڈالنے کی مہم پر چل نکلے ہیں۔

اس مہم کا آغاز جرمنی اور فرانس سے کیا گیا ہے۔ ۲۷ مارچ ۲۰۰۳ء کو پیرس کے قریب فرانس کی حکمران جماعت کے ارکان اسمبلی اور وزرا کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں حجاب اور مذہبی علامات پر پابندی لگانے کے سلسلے میں غور و خوض کیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق حکومتی جماعت کے ۹۰ فیصد ارکان نے ایسی پابندیوں کی حمایت کی۔ اجلاس کے بعد اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے فرانس کے وزیراعظم جین پیری رافرین نے اعلان کیا کہ حکومت سرکاری اداروں میں کام کرنے والی مسلم خواتین پر یہ پابندی عائد کرنے کا پروگرام بنا رہی ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران حجاب ترک کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اس مقصد کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی جائے گی تاکہ لباس میں سیاسی تعلق یا مذہبی لگاؤ کے

تمام نشانات کو مٹایا جاسکے۔ فرانسیسی سیکولرازم کی حفاظت کی جاسکے اور فرانس میں بسنے والی تمام خواتین کو بنیاد پرستی کے دباؤ سے محفوظ رکھا جاسکے۔

وزیر اعظم فرانس نے اسلام کے خلاف تہذیبی جنگ پر بہانہ سازی کا حجاب ڈالنے کے لئے مزید وضاحت کی کہ حجاب کے خلاف یہ قانون کسی مذہب کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا مقصد وحید عورتوں کو پابندیوں سے آزاد کرانا ہے۔ اس کے بعد فرانسیسی حکومت کے ایک سابق وزیر برنرٹازے کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اسے حجاب کے مسئلے کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرنے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ فرانس کے سیاست دانوں کی جانب حجاب کی مخالفت میں ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ حکومتی جماعت کے چیئرمین اور سابق وزیر اعظم فرانس السین جیٹی نے کہا کہ سرکاری سکولوں میں مذہبی علامات کی نمائش اور استعمال کے خلاف ایک سخت گیر قانون وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ فرانس کے سابق وزیر تعلیم کلوڈالجر نے حجاب کے مسئلے پر ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیکولرازم کو اسلام کے مطابق نہیں ڈھلنا بلکہ اسلام کو فرانسیسی سیکولرازم کے مطابق ڈھلنا ہوگا۔ فرانسیسی قیادت کی جانب سے مذکورہ بالا طرز کے بیانات سے فرانسیسی معاشرے میں بہت سے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور خاص مذہبی علامات جیسی اصلاحات پر بحث عروج پر ہے۔ ایسے سوالات بھی اٹھائے جا رہے ہیں کہ کیا حجاب کے بعد اڑھیوں، خاص طرز سے بال بڑھانے اور سکھوں کی پگڑیوں پر بھی پابندی لگائی جائے گی۔ اس ضمن میں فرانس کے وزیر تعلیم لک فیری کے اس بیان کو مرکزی نقطہ بحث بنایا جا رہا ہے جس میں انہوں نے پابندی کے قانون کی حمایت کرتے ہوئے سکھوں کے حوالے سے کہا کہ پابندی کا دائرہ وسیع ہوا تو سکھوں کو غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والی پگڑیوں کا انتظام کرنا ہوگا۔ فرانس کے صدر شیراک نے تینوں کے دورے کے دوران ایک تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا:

”مکمل سیکولر فرانسیسی حکومت طالبات کو اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا

اعلان کرتی پھریں۔ حجاب میں جارحیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ فرانس میں مسلمانوں کی اکثریت سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے اور ہماری حکومت فرانس میں ہجرت کر کے آنے والوں کو

اپنے ماحول اور معاشرے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ لیکن ظاہری مذہبی علامتوں کے ذریعے دوسروں کو کھلم کھلا اپنے دین کی طرف بلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“

فرانسیسی حکومت کی جانب سے قائم کی جانے والی برنسٹازے کمیٹی نے ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء کو اپنی سفارشات حکومت کو پیش کیں۔ ان سفارشات میں حجاب کو دینی علامت گردانتے ہوئے اسے ممنوع قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ حجاب کے ساتھ ساتھ مذکورہ کمیٹی نے عیسائیوں کی صلیب کے نشان اور یہودیوں کی مخصوص ٹوپی کپہا کو بھی دینی علامات قرار دیتے ہوئے تعلیمی اداروں میں ان سب چیزوں کی ممانعت کی سفارش کی۔ البتہ عید الاضحیٰ پر فرانس میں بسنے والے مسلمانوں اور عید غفران پر عیسائیوں کے لئے سرکاری تعطیل کرنے کی بھی سفارش کی۔

کمیٹی کی سفارشات آتے ہی یورپی مسلمان دنیا میں عمومی طور پر اور فرانس میں خصوصی طور پر ایک وسیع احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دس ہزار سے زائد مسلمان فرانسیسی خواتین نے کمیٹی سفارشات کے خلاف احتجاجی جلوس نکالا۔ جبکہ فرانس میں بسنے والے تین ہزار سکھ نمائندگان نے بھی حکومت کو احتجاجی یادداشت پیش کی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ فرانس میں رہنے والے سکھوں کے خلاف نہ تو دہشت گردی کا کوئی الزام ہے اور نہ ہی یہ لوگ بنیاد پرست ہیں۔ اس لئے اگر بال اور داڑھیاں کٹوانے پر مجبور کیا گیا یا پگڑیوں پر پابندی عائد کی گئی تو یہ ان کی

☆ فرانس میں جاری اس حجاب مخالف مہم کا ایک تناظر تو وہ ہے جسے حکومت اپنے جواز کے طور پر پیش کرتی ہے لیکن اس کا اصل پس منظر یہ ہے جو صدر فرانس کے اس بیان سے جھلکتا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد یورپی باشندوں میں جس طرح اسلام کو قبول کرنے میں تیزی آئی ہے، بالخصوص برطانیہ کی اہم شخصیات نے اسلام قبول کرنے میں جو لگاتار پیش رفت کی ہے، اس کے تناظر میں فرانسیسی حکومت کو اسلام کی اس بڑھتی مقبولیت کا سدباب کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اور یہی وجہ ان دیگر یورپی ممالک میں بھی ہے جو اس حجاب مخالف مہم میں فرانس کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اسلام کی بڑھتی مقبولیت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ خواتین کو اس کا تصور حجاب پابندی کے بجائے تحفظ کی علامت نظر آتا ہے۔ یہ حجاب ہی ہے جو خواتین کے اسلام کی طرف دیوانہ وار لپکنے کی ایک نمایاں وجہ ہے جس سے معاشرے کی ہوسناک نظروں سے انہیں پناہ مل جاتی ہے۔ فرانس میں جاری اس مہم کو اس تناظر میں دیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں حجاب اختیار کرنے والی بعض یورپی خواتین بالخصوص بعض شوبز سے تعلق رکھنے والی نمایاں خواتین کے تجربات نے یورپی خواتین میں ایک غیر معمولی تحریک پیدا کی ہے۔ دیکھئے ماہنامہ بیداری، حیدرآباد، فروری ۲۰۰۴ء میں شائع ہونے والے دو

مذہبی آزادی میں ایک صریح مداخلت کے مترادف ہوگا۔

مسلم دنیا کا رد عمل

اس کے ساتھ ہی پوری دنیا کے مسلم ممالک میں رد عمل ظاہر ہونا شروع ہوا۔ مصر کے مؤثر اور معروف اسلامی گروپ 'دی مسلم برادر ہوڈ' کی طرف سے ایک سخت بیان میں کہا گیا کہ فرانس کا یہ قانون مسلمانوں کی ذاتی اور مذہبی آزادی پر ایک ناروا قدغن کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر محمد خاتمی نے اپنے احتجاجی بیان میں حجاب جیسی مذہبی علامت پر پابندی کی مذمت کرتے ہوئے حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فیصلے پر فوری نظر ثانی کرے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی کی خاتون ارکان نے ۲۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو فرانسیسی سفارت خانہ اسلام آباد کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا اور حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ حجاب پر پابندی سے متعلق اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ اس موقع پر فرانس کے سفیر کو ایک یادداشت بھی پیش کی گئی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت فرانس بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کرے اور کسی مذہب یا نسل یا کچھر کا امتیاز کئے بغیر فرانس میں رہائش پذیر تمام لوگوں کو یکساں حقوق مہیا کرے۔ جماعت اسلامی پاکستان نے ایک قرارداد میں حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ وہ اظہار کی آزادی، دین کی آزادی، ضمیر کی آزادی اور طرزِ بود و باش کی آزادی جیسے اپنے اصولوں سے انحراف نہ کرے اور ہر مذہب کے پیرو کاروں کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق تبلیغ کرنے اپنے شعائر کو زیر عمل لانے اور اپنی عبادات کو اپنے طریقوں کے مطابق بجالانے پر کسی طرح کی پابندیاں لگانے سے باز رہے۔ قرارداد میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حجاب پر پابندی کے پتھیمیں بے شمار مسلمان عورتیں تعلیم اور ملازمت کے مواقع سے محروم ہو جائیں گی جو سراسر ایک ناانصافی ہوگی۔

۳۰ جنوری کو الجیرین اسلامک پارٹی نے فرانسیسی سفارت خانے میں یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ پابندی کا مجوزہ قانون بجائے خود انتہا پسندی کی ایک مثال ہے لہذا اس کے نفاذ سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔

اس سے قبل جنوری ۲۰۰۴ء کے دوسرے ہفتے میں براعظم امریکہ اور یورپ کے بہت سے ممالک میں قائم مسلمان اداروں اور تنظیموں کی طرف سے بھی مربوط اور منظم احتجاجی مظاہرہ ترتیب دیے گئے۔ یہ مظاہرے امریکہ اور کینیڈا میں زیر تعلیم مسلمان طلباء کی سب سے بڑی تنظیم ’مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن‘ کی جانب سے منعقد کئے گئے۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام واشنگٹن، اٹلانٹا، ہیوسٹن، میامی، سان فرانسسکو، ٹورنٹو کے علاوہ برطانیہ اور جرمنی کے مختلف شہروں میں جو مظاہرہ کئے گئے، ان مظاہروں میں مسلم طلباء کے علاوہ انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کے لئے کام کرنے والی بہت سی مشہور متحرک اور غیر مسلم تنظیموں نے بھی شرکت کی۔

فرانس سمیت دنیا بھر میں ہونے والے ان مظاہروں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے فرانس کے صدر شیراک نے برنر سٹازے کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز کی پرزور حمایت کی اور کہا کہ انہیں اُمید ہے کہ حکومت فرانس آئندہ کیلنڈر رسال شروع ہوتے ہوئے ان پابندیوں کو قانونی شکل دے دے گی۔ اس طرح یہودی ٹوپوں، بڑی کرسیچیں صلیبوں اور حجاب کا ملبوساتی استعمال غیر قانونی قرار پاجائے گا۔

یہ ایک دلچسپ اتفاق ہے کہ ۲۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی کی منتخب خاتون ارکان پارلیمنٹ فرانسیسی سفارت خانے کے سامنے اسلام آباد میں حجاب پر پابندیوں کے خلاف یادداشت پیش کر رہی تھیں، عین انہی اوقات کے دوران فرانس میں پوری فرانسیسی کابینہ ان پابندیوں کی باضابطہ منظوری دے رہی تھی۔ اس منظوری کے بعد ۱۰ فروری کو یہ مسودہ قانون فرانسیسی پارلیمان کے ایوان زیریں میں پیش ہوگا اور وہاں سے پاس ہونے کے بعد آئندہ تعلیمی سال سے نافذ العمل ہوگا۔

اسی طرح سکولوں میں زیر تعلیم مسلمان طالبات آئندہ سال کے اوائل سے حجاب نہ پہننے کی پابند قرار پائیں گی۔ پابندیوں سے متعلق اس بل کی کابینہ میں منظوری کے بعد صدر فرانس جیکوٹس شیراک نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”اس بل سے فرانس کے سکولوں کی غیر جانبداری مستحکم ہوگی۔ اس بل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے زیر اثر عام زندگی میں روزمرہ مذہبی علامت کے استعمال کو ممنوع قرار دیا جا رہا

ہے۔ یہ پابندی صرف سکولوں کی حد تک نافذ کی جا رہی ہے۔ اس اقدام سے ہماری تاریخ، ہماری روایات اور ہماری اقدار کو تحفظ فراہم ہوگا اور یہ سب کچھ ہم پوری ذمہ داری سے کر رہے ہیں۔ تاکہ دین اور حکومت کو علیحدہ علیحدہ رکھ کر فرانسیسی سیکولرزم کو مضبوط بنایا جاسکے۔“

جرمنی

فرانس کے بعد جو یورپی ملک حجاب پر پابندی کے سلسلے میں سرگرم ہے وہ جرمنی ہے۔ جرمنی کے چانسلر نے ایک بیان میں کہا کہ حجاب پر پابندی کے قانون کا نفاذ ہمارے ۲۰۰۴ء کے امیجمنڈے میں شامل ہے۔ جرمن اخبارات کے مطابق صدر جوہانس ریڈ کا خیال ہے کہ جرمنی کی تمام ریاستوں کو حجاب پر پابندی کے قانون کے دائرہ کار میں لانا ضروری ہے۔

جرمنی کی سب سے بڑی اور قدامت پسند ریاست بویریا میں بھی سکولوں میں حجاب پر پابندی سے متعلق ایک مسودہ قانون تیار کیا گیا ہے۔ لیکن فرانس کے برعکس اس مجوزہ قانون میں عیسائیوں اور یہودیوں پر کوئی پابندی نہیں ہوگی اور وہ صلیب یا خصوصیٹی پہن سکیں گے۔ بویریا کی وزیر تعلیم مونیکا ہولمائیر نے مجوزہ قانون کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ بویریا میں سیاسی اور مذہبی علامت کے طور پر حجاب کا استعمال فزوں تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اگر اس پر پابندی نہ لگائی گئی تو خدشہ ہے کہ طلباء مذہبی شدت پسندی کا شکار نہ ہونے لگیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ قانون طلباء کے والدین اور سرپرستوں کی اکثریت کے مطالبے پر وضع کیا جا رہا ہے۔

بویریا کے آئین کے مطابق وہاں کوئی بھی قانون علاقائی پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پارلیمنٹ میں کٹر کرکچین یونین جماعت کی اکثریت کی وجہ سے مجوزہ قانون کی منظوری کو محض ایک رسمی کارروائی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل جرمنی ہی کی ایک اور ریاست Baden-Wuerttemberg میں بھی حجاب پر پابندی کا مسودہ قانون پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ جرمنی ہی کے ایک شہر Darmstadt میں جرمنی کی سولہ ریاستوں کے وزراء تعلیم، ثقافت و مذہبی امور کا اجلاس منعقد ہو چکا ہے جس میں حجاب کے

مسئلے پر تفصیلی بحث مباحثے کے بعد ۱۶ میں سے ۷ ریاستوں نے حجاب پر پابندی لگانے کی حمایت کی۔ جرمنی کے سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۴ء کے دوران حجاب پر پابندی کے قانون کو جرمنی کے اکثریتی علاقوں میں ایکٹ آف پارلیمنٹ کے ذریعے نافذ کر دیا جائے گا۔ اس سے قبل جرمنی کے تیرہ صوبوں میں سے سات میں مسلمان اُستانیوں پر پہلے ہی یہ پابندی عائد کی جا چکی ہے کہ وہ تعلیمی اداروں میں حجاب پہن کر نہ آیا کریں۔ جبکہ بہت سے سکولوں میں طالبات سے بھی کہا جا چکا ہے کہ اگر انہیں تعلیم جاری رکھنا ہے تو وہ اسکارف پہن کر سکول میں مت آیا کریں۔ یاد رہے کہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل ۴ کی رو سے جرمنی میں رہائش پذیر ہر فرد کو اپنے مذہبی شعائر کے مطابق زندگی گزارنے کی ضمانت مہیا کی گئی ہے۔

ناروے: ناروے کی حکومت بھی فرانس اور جرمنی کے زیر اثر حجاب پر پابندی لگانے کے معاملے کو رفتہ رفتہ آگے بڑھا رہی ہے۔ لیکن بنیادی انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے دباؤ کے سبب اس پابندی کو فی الحال تجارتی مراکز اور سپر سٹورز پر کام کرنے والی مسلمان خواتین تک محدود رکھنے پر غور کر رہی ہے۔ اس محدود پابندی پر ناروے کے عوام کا رد عمل جاننے اور پرکھنے کے بعد مزید اقدامات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ناروے کے ایک وزیر کا بیان اس دباؤ کا مظہر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ناروے حکومت مذہب کی بنیاد پر امتیازات اجاگر کرنے کے خلاف ہے۔ لیکن جہاں تک حجاب کا معاملہ ہے تو اس کا استعمال بظاہر قابل اعتراض نہیں ہے لیکن اگر اس سے ہائی جین اور انسانی صحت کو کچھ مسائل درپیش ہوں تو حجاب پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ جہاں تک پرائیویٹ کاروباری اداروں اور سٹورز کا تعلق ہے تو وزیر موصوف نے ان اداروں کی توجہ ناروے کے فوجی قوانین کی جانب مبذول کروائی اور کہا کہ ناروے کی فوجی یونیفارم مذہبی رواداری اور دینی عقائد کے احترام کی آئینہ دار ہے اور اس احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے کی دفعات فوجی قوانین میں گزشتہ دس سال سے نہ صرف شامل ہیں بلکہ ان پر کامیابی سے عمل بھی ہو رہا ہے۔ پرائیویٹ تجارتی اداروں کو اس قانونی روایت سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

بلجیم: ناروے کے وزیر نے حجاب پر پابندی کے لئے اس کے ہائی جین اثرات اور انسانی صحت کو لاحق اُن دیکھے خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے تو بلجیم میں ایک نئے جواز کو حجاب پر پابندی کی بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ بلجیم کے حجاب مخالف حلقے اسلامی شدت پسندی کے علاوہ یہ اعتراض بھی پیش کر رہے ہیں کہ پاسپورٹ اور شناختی کارڈوں کے اجرا میں تمام خواتین کا ننگے سر ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی درست شناخت میں کسی ابہام یا شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

سویڈن یورپ کے آزاد خیال ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اس ملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں انسانی آزادیوں پر کسی طرح کی قدغن لگانا بنیادی انسانی حقوق کے یکسر خلاف سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ اس ملک میں امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن بین الاقوامی اخبارات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سویڈن میں بھی حجاب مخالف قوتوں نے قومی سطح پر اس مسئلے کے حوالے سے مباحث کا آغاز کر دیا ہے اور حجاب پر پابندی کے مختلف منصوبے آشکار کئے جا رہے ہیں۔ گو کہ حکومتی سطح پر حجاب پر پابندی سے متعلق ابھی تک کوئی معتبر بیان سامنے نہیں آیا۔ لیکن سیاسی پنڈتوں کا خیال ہے کہ اگر فرانس، جرمنی، ناروے اور بلجیم میں حجاب پر پابندیاں عائد ہو گئیں تو اس کا یقینی اثر سویڈن پر بھی پڑے گا اور سویڈن حکومت بھی مسلمان خواتین کے حجاب پر کسی نہ کسی حد تک پابندی لگانے پر مجبور ہو جائے گی۔

مسلم ممالک میں حجاب پر پابندی

حجاب سے متعلق مغربی ممالک کا مندرجہ بالا رویہ درست ہے یا غلط؟ اس بحث کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حجاب کے حق میں بات کرتے ہوئے علمائے کرام سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حجاب مسلمان عورتوں کے محض لباس کا ایک حصہ نہیں ہے بلکہ حجاب میں رہنا ایک مسلمان عورت کے مذہبی فرائض میں داخل ہے۔ مغربی ممالک کے دانشور اور حجاب مخالف حلقے اس دلیل کے جواب میں بہت سے اسلامی ممالک کے مثال پیش کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ اگر خود بعض اسلامی ممالک میں حجاب پر پابندی کے قوانین اور ضوابط

موجود ہیں تو مغرب کے ان ممالک پر انگشت نمائی کیوں؟ جہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے اور نہ ہی ان کا معاشرہ حجاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ معترض حلقوں کا کہنا ہے کہ فرانس میں تو صرف سرکاری سکولوں کی حد تک طالبات کو پابند کیا جا رہا ہے کہ وہ حجاب ترک کر دیں۔ لیکن اس کے برعکس شمالی افریقہ کے مسلم ممالک میں مدارس سے آگے بڑھ کر یونیورسٹیوں تک میں حجاب پر پابندی عائد ہے۔ مزید یہ کہ سرکاری اور پرائیویٹ دفاتر میں بھی کسی مسلمان عورت کو حجاب میں فرائض سرانجام دینے کی اجازت نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے باحجاب خواتین کا سرکاری ہسپتالوں میں علاج تک کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ عوام سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان ٹیکسی کاروں میں سفر نہ کریں جن کی ڈرائیور باحجاب عورتیں ہیں۔

فرانس میں حجاب پر پابندی کے خلاف مسلمان عورتوں نے جلوس نکالے تو فرانسیسی اخبارات نے تحقیقی مضامین شائع کئے اور بے پردہ تینس کے عنوان سے جلی سرخیوں والے اخبارات عوام میں مفت تقسیم کئے گئے۔ ان اخبارات نے انکشاف کیا کہ مسلم ملک تینس کے آئین کی شق نمبر ۱۰۸ حجاب پر پابندی لاگو کرتی ہے۔ اس شق کی روشنی میں حجاب والی خواتین کو تعلیم، ملازمت اور علاج کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ترکی کی مثال بھی بہت نمایاں ہے۔ جہاں ملک کی اعلیٰ ترین تعلیمی کونسل کے احکامات کے تحت اسکراف پہننے پر پابندیاں عائد ہیں اور سکول یونیورسٹی اور سرکاری دفاتر میں خواتین کے لئے حجاب پہننا قانوناً ممنوع ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں ہونے والا ایک واقعہ بھی اس سلسلے میں مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ جب ترکی کے صدر نے حکمران جماعت کے وزرا اور ارکان کو دعوت دی۔ لیکن ان وزراء اور ارکان پارلیمنٹ کی بیگمات کو دعوت میں بلانے سے انکار کر دیا جو حجاب کی پابندی کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں جن باحجاب خواتین کو ترکی کے صدر نے نظر انداز کیا۔ ان میں وزیراعظم اور ترکی کے آئینی کورٹ کے چیئرمین جیسی اہم شخصیات کی بیگمات بھی شامل تھیں۔ صدر نے اپنے اس اقدام کا جواز بتاتے ہوئے کہا کہ صدر سیکولر نظام کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور آئین میں درج سیکولرزم کے تحت جمہوری حقوق کے نگہبان

ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حجاب پہننے اور اس کی سرکاری تقریبات میں نمائش سے ایک سیاسی اسلام اور اس کے غلبے کا تصور اُجاگر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں گاہے گاہے پاکستان کی بات بھی اب ہونے لگی ہے اور کہا جانے لگا ہے کہ پاکستان بھی اپنی قومی ہوائی سروس پی آئی اے میں کام کرنے والی خواتین کو دوپٹہ کی پابندی سے آزاد کرنے کے لئے ضوابط تیار کر رہا ہے۔ حجاب مخالف مہم میں مصر کے مفتی ازہر شیخ محمد سعید طنطاوی کا 'فتویٰ' بھی شد و مد سے پیش کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے:

”اسکارف کے خلاف احکامات فرانس کا اندرونی مسئلہ ہے، ہم مداخلت نہیں کر سکتے۔ فرانس کو اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کا حق ہے۔ جو مسلمان خواتین فرانس میں رہتی ہیں، وہ اضطرار کی حالت میں اسکارف چھوڑ سکتی ہیں۔“

اس کے برعکس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر نے فرانس کی حجاب پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مسلم خواتین کو یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق سر پر اسکارف کا استعمال کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں مسلمان خواتین کو اس امر کی آزادی حاصل ہے۔

اگر مذکورہ بالا ساری بحث کو سمیٹا جائے تو حاصل کلام یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک کے احتجاج کے باوجود فرانس میں اس سال ایک ایسا قانون لاگو کیا جا رہا ہے جس کے تحت مسلمان طالبات سکولوں میں اور مسلمان خواتین سرکاری دفاتر میں حاضری کے دوران حجاب استعمال کرنے کے حق سے محروم ہو جائیں گی۔ اسی سال جرمنی میں بھی یہ قانون کچھ تبدیلیوں کے ساتھ رو بہ عمل آ جائے گا اور غالباً اگلے ایک دو سالوں میں اس پابندی کا دائرہ ناروے، بلجیم اور سویڈن تک پھیل سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گھمبیر اور سنجیدہ صورت حال میں کیا کیا جائے۔ اور اگر کچھ کرنا ہے تو یہ کون کرے.....؟

پس چہ باید کرد؟

ہماری رائے میں مسلمان ممالک کو فرانس اور دوسرے یورپی ممالک کے خلاف کسی تحریک کا آغاز نہیں کرنا چاہئے۔ اس اقدام سے حجاب کے خلاف مہم کو حجاب مخالف عناصر آسانی سے

اسے مسلم اور غیر مسلم تہذیبوں کی جنگ ہی کا ایک حصہ قرار دے سکتے ہیں^(۱)۔ جبکہ اس مہم کی کامیابی کے امکانات صرف اس صورت میں ہیں جبکہ اسے اسلام اور کفر کے دائرے سے نکال کر خالصتاً انسانی حقوق اور شخصی آزادیوں کے اصول کے تحت آگے بڑھایا جائے۔ یہ درست کہ حجاب ہمارے دینی شعائر کا حصہ ہے اور یہ محض ایک ملبوساتی علامت یا پہناوا نہیں ہے لیکن اسلام سے متصادم مغرب میں یہ دلیل شاید ہی کوئی پذیرائی حاصل کر سکے

اگر حجاب کے خلاف پابندیوں کو ان ممالک کے اپنے دساتیر اور قوانین کے ساتھ ساتھ

(۱) ادارتی نوٹ میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اسکارف کی ممانعت کا مسئلہ تہذیبوں کے تصادم کی اہم کڑی ہے جس سے لازماً اسلام کو گزرنا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلام ہمیں تصادم سے باز رہنے کی حتی المقدور تلقین کر کے متبادل راستوں پر ڈالتا ہے جیسا کہ فرعون کے ظلم و ستم کے تے ہوئے چند نوجوان مسلمان (بنی اسرائیل) جب فتنہ قتال سے بچنے کی دعا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون کے ذریعے یہ ہدایت بھیجی کہ کمزور ہونے کے باوجود (باجماعت نماز کے ذریعے) دین کی اجتماعیت اور محدود تر رابطہ ضرور باقی رکھو خواہ چند گھروں میں قبلہ بنا کر ہی ہو۔ قرآن کریم میں اس ارشاد الہی کا ذکر یوں ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّءَ الْقَوْمَ كَمَا يُعْبَرُ بَيْنَهُمْ لَئِي تَكُونَ لِقَوْمٍ حَادِثُونَ﴾ (سورۃ یونس: ۱۰۷/۸۷) ...

”ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو ہدایت کی کہ مصر میں چند مکان اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے لئے مخصوص کر کے ان گھروں کو (اجتماعی عبادت) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔“

پبلک مقامات پر باہمی رابطے مشکل ہو جانے کی متبادل شکل پرائیویٹ گوشے ہی ہوتے ہیں خواہ عبادت ہو یا تبلیغ و تعلیم۔ اس وقت فوری راہ یہی ہے کہ فرانس وغیرہ کے مسلمان ملکی قانون کو اپنے ہاتھ میں تو نہ لیں لیکن ملکی اور بین الاقوامی قانون کے سہارے کو ضرور استعمال کریں لیکن ایمان کا آخری درجہ دل کا جہاد یعنی مادر پدر آزاد تہذیب سے نفرت ہے جس کا ایک علاج ان مسلم معاشروں کی طرف ہجرت بھی ہے جن سے یہ مسلمان نکل کر آئے تھے تاہم دنیا میں ہجرت کی تنگنایاں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ افغانستان و پاکستان کے آزاد علاقوں میں پناہ لینے والے اس کی واضح مثال ہیں، لہذا فی الحال پرائیویٹ سیکٹر کی جس قدر گنجائش موجود ہے اسی مقامی ہجرت کو اختیار کر لیا جائے جس کی صورت یہ بھی ہے کہ ایسی کوششیں بھی تیز تر کر دی جائیں کہ مسلم NGOs کے تحت متبادل تعلیمی ادارے کیسے قائم کئے اور رکھے جاسکتے ہیں؟ ﴿وَمَنْ يَهْجَرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَرْجِعْ فِي الْأَرْضِ مَرَّةً أُخْرَىٰ﴾ (النساء: ۱۰۴/۱۰۰) ”جو اللہ کے رستہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کی بہت جگہ اور بسراوقات کی گنجائش پائے گا۔“..... (محمد ث)

اقوام متحدہ کے اس چارٹر کے حوالے سے چیلنج کیا جائے جس پر تمام ترقی یافتہ ممالک نے دستخط کر رکھے ہیں تو عالمی سطح پر جذبات کو برا بیچنے کے بغیر بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں اور غیر مسلم لیکن بڑی اور بین الاقوامی طور پر مؤثر این جی اوز کو بھی حجاب کے حق میں متحرک کیا جاسکتا ہے۔ خوش قسمتی سے فرانس کے حجاب مخالف قانون کی زد میں یہودی، سکھ اور رومن کیتھولک عیسائی بھی آرہے ہیں۔ جو اپنے لباس کے ساتھ بڑے ساز کی صلیب آویزاں کرنے کا شعار اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر انسانی بنیادوں پر اس قانون کی مخالفت کی جائے تو عیسائیوں کے روحانی مرکز ویٹی کن سٹی یورپ میں قائم تمام سکھ تنظیموں اور غیر مسلم لیکن انسانی حقوق کے علمبردار اداروں کی ہمدردیاں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں اور اقوام متحدہ کے متفقہ طور پر جاری کردہ 'یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس' کے آرٹیکل ۱۸ کی مدد بھی لی جاسکتی ہے۔ جس میں بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی آزادی کے احترام کی گارنٹی بھی دی گئی ہے۔ فرانس، جرمنی، سویڈن، بلجیم اور ناروے میں وہاں کے قوانین کے مطابق رجسٹرڈ اور تسلیم شدہ اداروں مثلاً سرکاری طور پر تسلیم شدہ 'اسلامی کونسل' اور مسلم ثقافتی سینٹروں کو چاہئے کہ وہ مذکورہ ممالک کے دائرہ قانون میں رہتے ہوئے قابل ترین قانون دانوں کی خدمات حاصل کریں اور ہر ملک کی وزارت تعلیم و ثقافت کے سامنے اپنا کیس پیش کر کے حجاب پر پابندی کے ضوابط کو خود ان ممالک کے آئین اور قوانین سے متصادم قرار دلوائیں۔

یورپ کے ان ممالک میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، مسلمانوں کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ سیاسی طور پر اسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان ممالک کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ آئندہ الیکشن میں اپنا ووٹ حجاب مخالف لیڈروں اور جماعتوں کے خلاف ڈالنے کا واضح عندیہ دے دیں۔ اس حربے سے کم از کم فرانس اور جرمنی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور اس مجوزہ کامیابی کے امکانات ان ممالک کی سیاسی فضا میں پہلے ہی سے اپنی جھلک دکھا رہے ہیں۔

حجاب پر پابندی کی مخالفت

فرانس کے ایک مقتدا اخبار ’لی فگارو‘ نے فروری ۲۰۰۴ء کی اپنی ایک اشاعت میں صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرانس کے اہم وزیر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر کہا ہے کہ حجاب پر پابندی سے فرانس کی خارجہ پالیسی پر برے اثرات مرتب ہوں گے اور اگر ایسا کیا گیا تو حکومت کی جانب سے یہ ایک غلط اقدام ہوگا کیونکہ بین الاقوامی تناظر میں یہ مسئلہ انتہائی حساس نوعیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح جرمنی کے ایک معتبر سیاسی راہنما روندز چاؤ نے بعض حکومتی حلقوں کی اس رائے کو خوش آئند قرار دیا ہے، کہ حکومت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کے مذہبی شعائر کے درست یا نادرست ہونے کا فیصلہ کرتی پھرے یا پھر کسی مذہبی روایت سے امتیازی سلوک کو روا رکھے۔ ’لی فگارو‘ نے لکھا ہے کہ اگر جرمنی کے صدر اس اصول کو اپناتے ہیں تو انہیں اگرچہ حجاب مخالف قوتوں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بننا پڑے گا لیکن وہ راست باز اور بہادر رہنما کی حیثیت سے تادیر یاد رکھے جائیں گے۔

جرمنی ہی کے روزنامہ Die Welt کا تجزیہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صلیب انسانی آزادی اور امن کا نشان ہے اور حجاب محض ایک دینی اور سیاسی علامت ہے تو بھی حجاب پر پابندی سے معاشرے میں ایک مکمل بے دین سیکولر ازم کے پھیلاؤ کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے ان سیاسی قوتوں کا استدلال زیادہ بہتر اور مضبوط دکھائی دیتا ہے، جو حجاب پر پابندی کی مخالفت کر رہی ہیں۔ بہ نسبت ان عناصر کے جو جنوبی طور پر حجاب مخالفت میں مہم چلا رہے ہیں۔ فرانس کے وزیر خارجہ جنوری ۲۰۰۴ء کے آخری ہفتے میں دبئی کے دورے پر آئے تو اخبار نویسوں نے ان سے حجاب پر پابندی کے حوالے سے سوالات کئے۔ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر موصوف مسٹر ڈومینیکیو ویلی پن (Dominique De Villepin) نے کہا کہ فرانس ایک جمہوریت نواز ملک ہے اور انسانی حقوق کا احترام اس کے منشور میں شامل ہے اور ہم نے فرانس میں مسلم معاملات سے متعلق ایک اعلیٰ اختیاراتی کونسل بنا رکھی ہے۔ جس کا نام "Conseil Francais Du Culte Musalman" ہے۔ اس کونسل

میں شامل مسلمان لیڈروں سے ہم نے مسلسل کئی ماہ تک بڑا تفصیلی اور دور رس مکالمہ جاری رکھا ہے۔ اس کونسل کے قیام کا مقصد ہی اسلام اور فرانسیسی حکومت کے درمیان اچھے تعلقات کو استوار رکھنا ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ اسلام کا فرانس میں حقیقی طور پر ایک اہم مقام ہے اور وہاں اس مذہب کا احترام کیا جاتا ہے۔ فرانس کی قومی پالیسی کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے کہ مذاہب، اعتقادات اور دینی شعائر کے معاملے میں غیر جانبدار رہا جائے اور ہم اسی غیر جانبداری کی روایت کو فرانس میں بسنے والے تمام شہریوں کے درمیان مساوات کے اصولوں کے مطابق آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ فرانس میں مذہبی علامات پر پابندی کا جو قانون وضع کیا جا رہا ہے، وہ اسی تاریخی روایت کا حصہ ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس قانون کا نشانہ بطور خاص اسلام ہے اور دراصل یہ پابندی صرف حجاب کے خلاف لگائی جا رہی ہے۔

وزیر موصوف نے زور دے کر کہا کہ میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسکارف پہننے پر مکمل پابندی ہرگز عائد نہیں کی جا رہی ہے۔ یہ پابندی صرف سرکاری سکولوں اور حکومتی ملازمین پر عائد ہوگی اور وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک طالبات سکول میں پڑھیں گی یا پھر مسلم ملازم خواتین کے دفاتر کے اوقات تک محدود رہے گی۔ پرائیویٹ سکول، یونیورسٹیاں، سرکاری عمارت اور مقامات پر یہ پابندی غیر مؤثر رہے گی اور مسلمان طالبات اور خواتین حسب معمول حجاب استعمال کرنے میں پوری طرح آزاد ہوں گی۔

فرانسیسی اخباری نگار وہی نے اپنے ایک اور تبصرے میں لکھا ہے جب حجاب پر پابندی کا قانون پارلیمنٹ میں پیش ہوگا تو اس پر سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ حکومت میں شامل سینئر رائٹ ارکان اس کی حمایت یا مخالفت میں تین یا چار گروہوں میں بٹ جائیں۔ اگرچہ حجاب کے معاملے پر وسیع پیمانے کی بحث مذہبی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اہم ہے اور سیکولر ازم کی برتری کے لئے ضروری ہے۔ لیکن حجاب پر پابندی کے مجوزہ قانون کی مخالفت کرنے والی قوتیں بھی بہت مضبوط ہیں اور اگر یہ سب ایک جگہ جمع ہو گئیں تو فرانسیسی سیاست میں مؤثر کردار ادا کرنے والے 'فار رائٹ' نیشنل فرنٹ کے لئے یہ ایک سیاسی تحفہ ہوگا۔

اس سارے پس منظر سے ایک اور اہم سیاسی پہلو بھی اُبھرتا ہے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ

فرانس میں آباد مسلم آبادی کا تعلق اپنے آبائی وطن کے حوالے سے بہت دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مثلاً فرانس میں بسنے والے مسلمان پوری مسلم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں شام، عراق، لبنان، الجزائر، مراکش، موریتانیہ، سینی گال، تیونس، پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمان شامل ہیں۔ ان تمام ممالک سے فرانس کے اقتصادی، تجارتی اور سیاسی روابط قائم ہیں۔ اگر یورپ میں رہنے والی تسلیم شدہ تنظیمیں سیاسی سطح پر اس تاثر کو ابھار سکیں کہ حجاب پر پابندی کا قانون فرانس اور دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے درمیان دوستانہ روابط کو ناقابل نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس سے فرانس کی رائے عامہ اور سیاست میں مؤثر تجارتی حلقوں کو مذکورہ قانون کے خلاف خالصتاً سیاسی تجارتی اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے بھی متحرک کیا جاسکتا ہے اور اس مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کی اس تہذیبی نفسیات سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس کے زیر اثر فرانسیسی اپنے آپ کو تہذیبِ روشن اور کشادہ ظرف کا نقیب خیال کرتے ہیں اور وسیع خیالی کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں۔

فرانسیسی انقلاب فرانس کی بہت تعریف کرتے ہیں اور انقلاب کے بعد یعنی اٹھارویں صدی سے فخر کے ساتھ پوری دنیا کو یہ جتانے سے گریز نہیں کرتے کہ رواداری، مساوات اور حریت انقلاب فرانس کے بنیادی اصول ہیں اور انہی اصولوں پر چل کر فرانس نے جدید دنیا میں موجودہ اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ انقلاب فرانس کے ان بنیادی اصولوں پر اصرار اور فرانس کی مذہبی مداخلت سے بھری آئینی تشریحات کو بنیاد بنا کر اگر فرانس میں حجاب کو برقرار رکھنے کے حق میں کوئی تحریک شروع کی جائے جس کا مرکز فرانس ہی میں ہو تو قوی امکان ہے کہ وہاں اسلام کو ایک شدت پسند مذہب کے طور پر پیش کرنے والے فرانسیسی عناصر خود اپنے آئین، اپنے قانون اور اپنے اصولوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح حجاب پر پابندی کو بالآخر ختم کروایا جاسکتا ہے یا اسے صرف سرکاری سکولوں اور سرکاری دفاتر تک محدود رکھ کر یورپ میں بسنے والی مسلمان عورتوں کی زندگی کے شب و روز کے ہر لمحے تک محیط ہونے کے عمل کو روکا جاسکتا ہے۔ اور حجاب پر پابندی کے اس ناپسندیدہ قانون کو پہلے قدم پر ہی زنجیر ڈال کر اگلے اقدامات سے باز رکھا جاسکتا ہے۔ ☆☆